R.NO.2186/57 REGD.NO.L.922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت: ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۸، شمارہ ۲۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ جون ۱۹۶۹ء

اداریہ

اُردو دوستوں کے تین بنیادی کام

اردو زبان کی بقا کے لیے اس وقت تین کام سب سے اہم اور بنیادی ہیں۔ اول تو ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعہ سے دینا، دوسرے ثانوی تعلیم اردو کے ذریعہ سے دینا اور تیسرے جہاں یہ ممکن نہ ہو سکے سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کا تیسری زبان کی حیثیت سے پڑھانا۔ ہمیں سب سے پہلے انھیں تین باتوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔

آزادی کے بعد شمالی ہند اور جنوبی ہند میں اردو کے ساتھ سلوک میں فرق ہے۔ مجموعی طور پر جنوبی ہند میں یعنی گجرات، آندھرا، مہاراشٹرا، میسور، مدراس اور کیرالا میں جہاں جہاں مطالبہ ہوا ہے اردو کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں دفتر شاہی نے تغافل سے بھی کام لیا ہے، مگر مجموعی طور پر ان ریاستی حکومتوں نے لسانی اقلیتوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کی۔ ابتدائی تعلیم کی منزل پر اردو کے ذریعہ سے تعلیم کا انتظام جہاں مطالبہ ہوا کیا گیا ہے۔ استاد حسب ضرورت رکھے گئے ہیں۔ کتابوں کی فراہمی کی کوشش کی گئی ہے۔ ثانوی تعلیم بھی جا بجا اردو کے ذریعے دینے کی سہولتیں میسر آ جاتی ہیں اگرچہ اس کا انتظام اتنا تسلی بخش نہیں ہے۔ اگر سہ لسانی فارمولے پر عمل نہیں بھی ہو رہا ہے تو جو طلبا اردو پڑھنا چاہیں وہ یہ زبان پڑھ سکتے ہیں۔

شمالی ہند میں صرف مغربی بنگال اور ہماچل پردیش میں ابتدائی اور ثانوی منزل پر اردو کی تعلیم کا انتظام ہے۔ جو ریاستیں ہندی کی ریاستیں کہلاتی ہیں، یعنی اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش اور ہریانہ، ان میں ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعہ سے دینے کا انتظام ناقص اور ناقابل اطمینان ہے۔ بہت چیخ و پکار کے بعد کچھ اسکولوں میں اس کا انتظام کیا گیا ہے مگر کہیں استاد نہیں ملتے تو کہیں کتابیں وقت پر دستیاب نہیں ہوتیں۔ اتر پردیش میں اردو زبان والوں کی آبادی ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق ستر لاکھ ہے، مگر یہاں اردو کے ابتدائی اسکولوں اور مناسب جماعتوں اور استادوں کی تعداد بہار سے کم ہے جہاں اردو زبان والوں کی آبادی اتر پردیش کی دو تہائی ہے۔ بہار میں اردو کے کچھ ثانوی اسکول بھی ہیں۔ اتر پردیش کی حکومت کے تحت دراصل ایک بھی اسکول ایسا نہیں اگرچہ حکومت نے لسانی اقلیتوں کو جو اعداد و شمار مہیا کیے ہیں ان میں علی گڑھ یونیورسٹی کے تین اسکولوں کو شمار کر لیا ہے۔ ہاں اتر پردیش میں ثانوی اسکولوں میں بعض جگہ اردو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے اور بعض جگہ سہ لسانی فارمولے کے تحت تیسری زبان کی حیثیت سے۔ مگر چونکہ عام طور پر ہندی، سنسکرت اور انگریزی پر اصرار ہے اس لیے اوّل تو طلبا اور ان کے والدین ڈر کے مارے مطالبہ ہی نہیں کرتے، اور اگر کرتے ہیں تو پرنسپل صاحبان اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مدھیہ پردیش اور راجستھان میں بھی حالت خاصی غیر تسلی بخش ہے۔ ہریانہ جہاں اردو کا خاصا چلن رہا ہے، اردو کے حقوق کو پامال کر رہا ہے۔ جموں و کشمیر میں ضرور اردو کے ذریعے سے ابتدائی اور ثانوی منزل پر تعلیم ہوتی ہے۔

اردو دوست جب اردو کو ان ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی معقول آبادی ہے سرکاری یا ثانوی زبان بنانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ یہ بات نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دراصل ہمیں پہلے بنیادی کام کرنا چاہیے اور پھر سرکاری زبان کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ سرکاری زبان کا مطالبہ غلط نہیں، یہ جائز مطالبہ ہے۔ مگر موجودہ حالات میں زیادہ زور اس بات پر دینا چاہیے کہ ہر جگہ حسب ضرورت ابتدائی اور ثانوی تعلیم اردو میں دینے کا انتظام ہو اور جہاں یہ انتظام نہ ہو وہاں اردو دوست خود مناسب انتظام کریں۔ سرکاری زبان کے معاملے میں سیاسی پارٹیاں حکمت عملی سے کام لیتی ہیں۔ وہ اردو دوستوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے انتخاب سے پہلے ہر قسم کے وعدے کر لیتی ہیں، مگر انتخاب کے بعد انھیں پورا نہیں کرتیں۔ دستور میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اگر ریاستی حکومتیں اپنے فرض سے غافل ہوں تو صدر جمہوریہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت مناسب ہدایات جاری

کرے۔ اگرچہ کہ تعلیم ریاستی حکومتوں سے متعلق ہے اس لیے مرکز اس معاملے میں سستی کرتا ہے۔ اور پھر اب مرکز اتنا مضبوط بھی نہیں ہے کہ ریاستی حکومتوں سے اپنی ہر بات منوا سکے۔ اس لیے ہماری رائے میں سب سے پہلے ہمیں ہر ریاست میں ابتدائی و ثانوی تعلیم کا اردو میں قابلِ اطمینان انتظام کرانے پر زور دینا چاہیے اور اس معاملے میں تمام محبانِ وطن، قومی کارکنوں اور سیکولر سیاسی پارٹیوں سے مدد لینی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہر مقام پر خود بھی کچھ اسکول کھول لینے چاہئیں ہماری شاخوں کا خاص طور سے یہ فرض ہے۔ جہاں جہاں اسلامی مکتب اور مدرسے ہیں ان کی امداد بھی بڑھوانا چاہیے۔ کتابوں کی فراہمی اور اساتذہ کی تربیت پر بھی زور دینا چاہیے۔ ریاستی قوانین اور احکام کے اردو میں شائع ہونے کا بھی مطالبہ کرنا چاہیے۔ ان کاموں پر پوری توجہ کے ساتھ اردو کو سرکاری یا ثانوی زبان منوانے کے لیے بھی فضا ہموار کرنا چاہیے مگر سرکاری یا ثانوی زبان کے مطالبے پر سارا زور صرف کر دینا عقلمندی نہ ہوگا۔

اعلان

انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عام نے ۱۰ مئی کے جلسے میں فیصلہ کیا ہے کہ "اردو ادب" کا ایک خاص نمبر ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند اور سابق صدر انجمن ترقی اردو ہند کی یاد میں نکالا جائے۔ توقع ہے کہ یہ نمبر یوم آزادی یعنی ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء کو شائع ہو جائے گا۔

انجمن نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ "اردو ادب" کا ایک خاص شمارہ مہاتما گاندھی کی یاد میں شائع کیا جائے جس میں گاندھی جی کی تعلیم اور افکار پر اور ان کی موجودہ دور میں اہمیت پر خصوصی مضامین ہوں۔ امید ہے کہ یہ نمبر اکتوبر میں شائع ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ "مشترکہ زبان" کے عنوان سے گاندھی جی کے جو مضامین انجمن نے کئی سال پہلے شائع کیے تھے، ان کا ایک نیا ایڈیشن ضروری اضافے کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں گاندھی جی کے اردو میں خطوں اور اردو کے متعلق ان کے ارشادات کے زیادہ سے زیادہ نمونے پیش کیے جائیں گے۔ ہماری زبان کے پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ اگر ان کے پاس اس قسم کا مواد ہو تو وہ اس کی نقل جنرل سکریٹری انجمن کو ضرور بھیج دیں۔

آل احمد سرور

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند

ہندوستانی زبانوں میں نئے خواندگان کیلئے بہترین تصانیف

نئی دہلی۔ نئے خواندگان کے لیے ہندوستانی زبانوں میں بہترین تصانیف کے لیے یونیسکو نے ۲۰ ہزار روپے کے سو انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ ہندسرکار کے تعاون سے یونیسکو کی طرف سے اس قسم کا یہ ساتواں مقابلہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ ہندی کے علاوہ آسامی، بنگالی، گجراتی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مراٹھی، اڑیہ، پنجابی، سندھی، تیلگو اور اردو کے لیے ایک ایک انعام دیا جائیگا اگر کسی زبان کی تصنیف مقررہ معیار پر پوری نہ اتری تو زبان کے لیے مخصوص انعام کسی دوسری زبان کی اگلی بہترین تصنیف کو عطا کر دیا جائیگا۔ مسودے موصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۰ جون مقرر کی گئی ہے۔

بلراج کومل کا نیا شعری مجموعہ سفر مدام سفر شائع ہو گیا

الٰہ آباد۔ نئی نسل کے ممتاز و نمائندہ شاعر بلراج کومل کا نیا شعری مجموعہ "سفر مدام سفر" ابھی ماہ شب خون کتاب گھر الٰہ آباد سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں تازہ ترین نظموں کے علاوہ "میری نظمیں" اور "رشتۂ دل" کا انتخاب بھی شامل ہے۔ موخرالذکر دو مجموعے علی الترتیب ۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئے تھے۔ (نامہ نگار)

راجستھان گورنمنٹ کی ادب نوازی

جے پور۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ گورنمنٹ راجستھان نے الحاج مولانا احترام الدین احمد شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان کی ادبی خدمات کی قدر کرتے ہوئے مبلغ ڈھائی ہزار روپیہ ان کو تصنیف و تالیف کے سلسلے میں عطا کیا ہے۔ (محمد احتشام الدین عثمانی)

آلم مظفرنگری کا انتقال

مظفرنگر۔ یہ خبر انتہائی حزن و ملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ گزشتہ ۲۰ مئی ۱۹۶۹ء کو ممتاز شاعر اور ادیب آلم مظفرنگری تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم عرصے سے علیل تھے۔ مرحوم کا شمار ملک کے ممتاز شعرا میں ہوتا تھا۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کی علمی خدمات کے پیش نظر حکومت یو۔پی سے ایک وظیفہ بھی ملتا تھا۔ ادارہ پسماندگان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

ناطق گلاوٹھوی کی وفات

ناگپور۔ ۲۷ مئی ۱۹۶۹ء کو ملک کے ممتاز شاعر مولانا سید ابوالحسن صاحب گلاوٹھوی بعمر ۹۳ سال ایک طویل عرصہ کی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ مرحوم کی متعدد تصنیفات ہیں۔ آپ نے بے شمار کل ہند مشاعروں کی صدارت فرمائی۔ آپ کی شعری، علمی و ادبی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر حکومت ہند نے آپ کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ ادارہ ہماری زبان پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔

نرش کمار شاد کا انتقال

دہلی۔ اردو کے شاعر اور ادیب جناب نرش کمار شاد کا انتقال ۱۶ مئی کو ہو گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا انتقال حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث ہوا۔ نرش کمار شاد تقریباً ایک درجن کتابوں کے مصنف تھے جن میں ان کے شعری مجموعے بھی شامل ہیں۔ ادارہ ہماری زبان اس سانحہ پر رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

مخمور جالندھری

لینن — انسانی روحوں کے انجینیر

لینن کا نام ہونٹوں پر آتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تمام کائنات اپنی تجلی اور اسرار و رموز کے ساتھ اس نام میں سمٹ آئی ہو اور جیسے اس نام میں بنی نوعِ انسان کے لیے بے پناہ محبت سموئی ہوئی ہو۔ لینن اقوام و عوام کے بہترین دوست اور معلم تھے اور ان کے لیے بیداری کا چراغ روشن کرنے والے تھے۔ وہ ہر ایک کے لیے اپنے لبوں پر تبسم رکھتے تھے۔ وہ اپنے سر کی لطیف اور دوستانہ جنبش سے ہر ایک کا خیر مقدم کرتے تھے۔ وہ انسان کے درد و کرب سے اس کی صدیوں کی مظلومیت سے اور استحصالی قوتوں کے مسلسل جبر و استبداد سے اس کے دل میں مستقل صورت اختیار کر جانے والے جذبات و احساسات سے آگاہ تھے اور ان کے پاس انسان کے رنج و آلام کا مداوا بھی تھا۔

لینن نے نسلِ آدم کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔ یہ شرف بہت کم مفکروں اور انقلابیوں کو نصیب ہوا۔ وہ ایک عظیم الشان ماہرِ معاشیات، فلسفہ داں، سیاسی رہنما اور دنیا کی پہلی اشتراکی ریاست کے بانی تھے۔

انھوں نے اشتراکی ریاست کی صورت میں دنیا کو ایک نیا نظام، ایک نیا تصور، ایک نیا راستہ اور ایک نیا عزم و حوصلہ عطا کیا۔

۲۱ جنوری ۱۹۳۰ء کو لینن کی برسی کے موقع پر جب بھگت سنگھ اور ان کے ساتھی عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے تو انھوں نے کٹہرے میں کھڑے ہو کر یہ نعرے لگائے: "سوشلزم زندہ باد! کمیونسٹ انٹرنیشنل زندہ باد!" اور "لینن کا نام تاریخ میں امر رہے گا۔"

بھگت سنگھ اور ان کے ساتھی جانتے تھے کہ انگریز حکومت کے ہاتھوں ان کا کیا حشر ہوگا مگر لینن کے تابندہ کیے ہوئے راستے اور نئی نوعِ انسان کے لیے لینن کی خدمت اور قربانی نے ان کو قوم و وطن اور ایک عظیم آدرش کے لیے اپنے ہولناک انجام سے بے نیاز کر دیا تھا۔ لینن نے ہندوستانی عوام اور ان کی مظلومیت کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ لینن تمام دنیا کو اپنی آغوشِ نظر میں رکھتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۰۸ء میں ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے مظالم سے متعلق لکھا تھا۔

"ہندوستان میں جب سے انگریز سرمایہ داروں کے محکوم عالیہ زمانوں میں اپنے آقاؤں کے لئے گہری تشویش کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ جب سے انگریز حکومت کے نام پر ہندوستان میں لوٹ کھسوٹ اور جبر و استبداد کی جو لہر جاری ہے اس کا سلسلہ ختم ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ مگر ہندوستان میں بھی پرولتاریہ نے ایک باشعور عوامی جدوجہد کو فروغ دیا ہے اور ہندوستان میں روسی طرز کی برطانوی حکومت کا خاتمہ ہو کر رہے گا۔"

..... اور ان کی یہ پیشین گوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ انقلابِ روس کی فتح کے بعد انھوں نے اپنی وسعتِ نظر کا ایک اور ثبوت دیا۔ آپ نے کہا:

"روس میں اشتراکی انقلاب کی فتح ایشیا اور یورپ میں انقلاب کے لئے غیر معمولی سازگار حالات پیدا کرے گی۔"

لینن چونکہ انسانوں کی روحوں کے انجینیر تھے اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ نجات و آزادی کی تحریک صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ ایک درست انقلابی نظریہ اس کی رہنمائی کرے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ تسلیم کیا۔

"روس نے تاریخ کا یہ سبق دہرایا ہے کہ انسان اپنے

فیض الحسن خیال

صبح کا سورج

شب کے ماتھے پہ نئی صبح کا سورج چمکا
قافلہ والو اٹھو دیدۂ روشن دیکھو

رنگ لا کر ہی رہا خواب پریشاں اپنا
غیر ممکن بھی ہے دیوانوں کے حق میں ممکن

ان کا اسلوب نئی صبح کی تاریخ بنا
لب شیریں ارمغ روشن ہے خیالوں کی چمک

کروٹیں لینے لگے دیکھو شبوں کے آقا
آگئے گردشِ ایام کے چکر میں وہ

صاحبِ عقل و ہنر عیب کے پردوں میں چھپے
ان کو پردوں ہی میں رہنے دو سحر ہونے تک

ان کے کاندھوں ہی پہ ماضی کا جنازہ ہوگا
ان کے ماتھے ہی پہ ابھریں گے ترمہ کے نشاں

تم ذرا اور ذرا اور ٹھہر جاؤ دوست
سب کے ہاتھوں میں نئی صبح کا پرچم ہوگا

مقدر کو ڈھال بھی سکتا ہے اور بعض اوقات ایک انسان کی قوت ارادی کروڑوں انسانوں کی زندگی کو تبدیل کر دیتی ہے۔ لہٰذا انقلاب کو کامیاب بنانے والوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا ایک تعمیری بات ہے جنھوں نے طوائف الملوکی اور افراتفری کے عالم میں سے ایک نیا دور تخلیق کیا۔ خاص طور پر عظیم انقلابی لینن کے بارے میں جاننا بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے:

لینن کے بارے میں جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ان جیسے دیدہ ور صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں، جو نئی ذریعے انسان کا مقدر بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ لینن صداقت کی طرح سادہ تھے وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بالکل درست رویہ اختیار کرتے تھے۔ وہ منکسر المزاج تھے اور ہر ایک کا پاس اور لحاظ کرتے تھے جس کسی کو لینن سے ملنے کا شرف حاصل ہوتا تھا وہ ان کے متعلق ایسے ہی تاثرات دل میں لے کر جاتا تھا۔

لینن کی نظر جام جہاں نما تھی۔ دور و نزدیک اور گرد و پیش ان کی نظر میں رہتے تھے۔ جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ انسانوں کے قدم راہِ مستقیم پر ڈگمگا کر بھٹکنے لگے ہیں تو وہ فوراً اپنی رہنمائی سے ان کو راہِ راست پر لے آتے تھے۔

..... جب یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ

"پرولتاریہ کو ایک ایسا سماج تعمیر کرنا ہے جو پرانے سماج سے قطعاً مختلف ہوگا۔ لہٰذا پرولتاریہ کو قدیم ثقافت کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

تو لینن نے فوراً اس غلط نظریے پر کڑی نکتہ چینی کی اور انھوں نے ان پر زور الفاظ میں کہا۔

"نہیں فوراً ہی اور اسی ملبے اس مواد سے سوشلزم تعمیر کرنا ہے جو سرمایہ داری کل ہمارے لئے چھوڑ کر گئی ہے کہ ہم آج اسے استعمال کریں۔ ہمارے پاس اس وقت بورژوا ماہرین ہیں۔ سوشلزم کو تعمیر کرنے کے لئے ان اینٹوں کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ سوشلزم کو کامیاب و کامراں ہونا ہے اور ہم جو سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہیں۔ اپنے اعمال سے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہم ان اینٹوں سے سوشلزم تعمیر کرنے کے قابل ہیں۔"

لینن ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اگر سیاسی اور معاشی صورت حال کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے تھے تو وہ آرٹ اور ادب کی باریکیوں سے بھی آگاہ تھے۔ وہ اس میدان کے بھی عظیم رہنما تھے۔ انھوں نے کہا۔

"سماجی اور جمہوری ادب کو پارٹی کا ادب بننا پڑے گا۔ صرف اسی صورت میں سماجی اور جمہوری ادب اپنے نام کی عزت برقرار رکھ سکتا ہے۔ صرف اسی صورت میں وہ اپنا فرض ادا کر سکے گا اور بورژوا سماج کی چوکھٹ میں رہتے ہوئے بھی بورژوازی کی غلامی کی زنجیریں توڑ سکے گا اور صحیح معنوں میں ترقی یافتہ اور انقلابی طبقے کی تحریک میں مدغم ہو سکے گا۔"

اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے گورکی کی یوں تعریف کی۔

"کامریڈ میکسیم گورکی نے اپنی عظیم تخلیقات کے ذریعے اپنے آپ کو بڑی گہرائی کے ساتھ محنت کش طبقے کی تحریک کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ گورکی بلاشک و شبہ پرولتاری آرٹ کا عظیم ترین نمائندہ ہے جس نے اس آرٹ کے لئے بڑا کام کیا ہے اور مستقبل میں اس کے لئے بہت کچھ کرنے کے قابل ہے۔"

لینن تالستائی کے تصورات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی تالستائی کی تخلیقی قوت اور ان کی فنکارانہ ذہانت کے معترف تھے لینن لگی لپٹی بات نہیں کہتے تھے۔

انھوں نے تالستائی کے ادبی کارناموں کے دونوں رخوں کو اجاگر کیا اور لکھا۔

"تالستائی کا نظریہ یقیناً خیال پرستی کے مترادف ہے اور زیادہ واضح اور عمیق الفاظ میں موضوع کے اعتبار سے رجعت پرستانہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کا نظریہ اشتراکی طرز کا نہیں تھا یا اس میں ایسے ناقدانہ عناصر نہیں تھے جو ترقی یافتہ طبقات کی بیداری اور روشن ضمیری کے لئے بیش بہا مواد فراہم کرنے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔"

لینن دنیا کی سب سے پہلی اشتراکی ریاست کی بنیادیں استوار کر رہے تھے اس لئے ان کا راستہ آسان نہیں بلکہ بہت ہی کٹھن تھا۔ جبر و استبداد اور محکومی و غلامی سے نجات پا کر محنت کش طبقہ چاند کی طرف ہمکتے ہوئے بچے کی طرح بلندیوں کو چھو لینے کے لئے بیقرار تھا۔ اس بیقراری اور عجلت میں پاؤں لڑ کھڑا بھی سکتے تھے۔ لینن کو ابتدا میں یہ ڈر تھا کہ سوویت جمہوریہ کے نوجوان لاعلم رہ جائیں گے اور زندگی کے لئے قطعی ناموزوں ثابت ہوں گے اگر ان کو انسانی ثقافت کے ایک پورے عہد سے محروم کر دیا گیا۔ انھوں نے کہا

"اس شاہراہ پر اس وقت انتہائی ضروری اور فوری کام یہی ہے کہ سولہ برس کی عمر تک کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے عام تعلیم اور بہت سے پیشوں کی تعلیم لازمی اور مفت قرار دی جائے اور تعلیمی امور میں سرگرم حصہ لینے کے لئے محنت کش آبادی کو راغب کیا جائے۔"

لینن جانتے تھے کہ استاد جو نئی نسل کے معمار ہوتے ہیں سرمایہ دارانہ

نظام کے تحت ان کی حالت کس قدر المناک تھی، وہ افلاس بے چارگی اور محرومی کی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔

"ہمارے ملک میں استاد کو ایسا بلند مرتبہ ملنا چاہیے جو استادوں کو بورژوا سماج میں کبھی نہیں ملا تھا نہ ملا ہے اور نہ کبھی مل سکتا ہے۔"

اشتراکی ریاست کے ظہور میں آنے ہی قومیتوں کا مسئلہ ایک گرہ آسا مسئلہ تھا۔ لینن اپنی اعتیاز، قومی غرور و نخوت، برتری اور جارحانہ وطن پرستی کے مظاہر کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے انقلاب کی فتح کے فوراً بعد قومیتوں کے مسئلے پر توجہ مرکوز کی اور چھوٹی قوموں کے خلاف حقارت آمیز رویے کے پرخچے اڑاتے ہوئے ان کو سوویت سماج میں مساوی مقام دلوایا اور ان کی ثقافت اور زبان کو آزادانہ طور پر پھلنے پھولنے کا موقع عطا کیا۔

وہ خواتین کے حقوق پر بھی ہمیشہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بحث کیا کرتے تھے۔ وہ خواتین کی تحریک کو بھاری اہمیت دیتے تھے اور اسے عوامی تحریک کا ایک جزو لاینفک سمجھتے تھے۔ وہ کمیونزم میں عورت کی مکمل سماجی برابری کو ایک بنیادی اصول مانتے تھے۔

لینن کی تعلیمات تمام ترقی پسند بنی نوع انسان کا پرچم بن چکی ہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے

"اشتراکی کایا پلٹ کا آغاز کرتے ہوئے ہمارے ذہن و دل میں یہ بات صاف اور واضح ہونی چاہیے کہ یہ کایا پلٹ آخر کس مقصد کے لئے کی جا رہی ہے، یعنی کیا یہ تغیر ایک کمیونسٹ سماج تخلیق کرنے کے کیا جا رہا ہے یا نہیں۔"

...... اور وہ جو بات بھی کہتے تھے اس میں صداقت کی آنچ خلوص کی قوت اور بے غرضی کی توانائی ہوتی تھی۔ گورکی نے کہا۔

"بعض اوقات ایسا دکھائی دیتا ہے کہ لینن کی کبھی مغلوب نہ ہونے والی روحانی توانائی ان کی آنکھوں سے شعلہ ریز ہو جاتی ہے اور ان کے الفاظ میں اس توانائی کے شعلے سموئے ہوتے ہیں اور ان کے الفاظ فضا میں دمکنے لگتے ہیں۔ ان کی خیال آرائیاں ہمیشہ ناقابل تردید صداقت کا احساس پیدا کرتی ہیں۔ لینن ایک عظیم انسان ہیں، ہماری دنیا کے حقیقی انسان۔"

لینن صحیح معنوں میں انسانی روحوں کے یکتائے روزگار انجینیر تھے۔ انھوں نے گورکی کو مشورہ دیا۔

"بعض اوقات ایک چھوٹا سا بے ربط اور غیر متعلقہ جملہ شبہ کے پیچھے میں ایک پچھ کو تیار کا کام کر جاتا ہے۔"

ان کی ہر ایک بات ایک درس حیات تھی، آنے والی نسلوں کے لئے چراغ راہ تھی۔

لینن کے تصورات آج بھی نور افشاں اور مشعل راہ ہیں۔ مارشل امینڈرسن نیکسو نے کہا۔

"لینن سب سے ہوشیار اور ذہین تھے وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ عام لوگوں کی آواز اور ان کے باطنی خیالات سنا کرتے تھے وہ ان سے بہت کچھ سیکھتے تھے۔ وہ ان کے جذبے اور ان کے کام کو بلندی عطا کرتے تھے اور یہ ثابت کرتے تھے کہ عام انسان اور اس کا کام زندگی کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی عام لوگوں کے سامنے ایسا انسان نہیں آیا تھا جو ان کو اور ان کی زندگی کو لینن سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہو۔"

لینن آج ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر اس کے باوجود وہ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اپنی ذہانت و فراست سے اپنی رہنمایانہ قوت سے اور اپنے حیرت انگیز افکار سے۔ بیکسم گورکی نے ان کی وفات پر کہا۔

(باقی صفحہ ۰۰ پر)

مہر چند کوثر

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم

اک امن و آشتی کا طلب گار چل بسا
انسان دوستی کا روادار چل بسا

وہ رہنما وہ قافلہ سالار چل بسا
نازاں تھی جس پہ قوم وہ معمار چل بسا

سرچشمہ راستی کا - صداقت کا ترجمان
اک حق شناس و مرد خوش اطوار چل بسا

موضوع گفتگو تھی فرشتوں میں جس کی ذات
وہ خوش خصال صاحب کردار چل بسا

پاکیزگی، سلیقہ شعاری و سادگی
جملہ صداقتوں کا علم دار چل بسا

بے انتہا تھا جس کی وفاؤں کا سلسلہ
تہذیب عشق کا وہ پرستار چل بسا

سنسان ہیں دیار محبت کے راستے
اے جنس شوق تیرا خریدار چل بسا

زندہ تھیں جس سے جذب محبت کی خلعتیں
کوثر وہ نازش رسن و دار چل بسا

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی

عقائد پر حضرت ذوقی کا

ایک منظوم مخطوطہ

حضرت محی الدین عبد اللطیف ذوقی کا تعلق جنوبی ہند کے ایک قابل فخر علمی خاندان سے تھا جس کی ویلور میں "حضرت مکان" کے نام سے ایک شاندار عمارت آج بھی موجود ہے۔ اس عظیم علمی خانوادہ کے بانی حضرت شاہ عبد اللطیف بیجاپوری ہیں جو بیجاپور سے ویلور ضلع شمالی ارکاٹ میں آکر مقیم ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابو الحسن قربی نے ایک زبردست خانقاہ تعمیر کی جو حضرت مکان کے نام سے معروف ہے۔ شاعری کا مذاق بھی اس خاندان میں موروثی ہے چنانچہ حضرت قربی کا دکنی دیوان پروفیسر سید فضل اللہ نے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے حضرت ذوقی اور حضرت محوی کے دواوین بھی موجود ہیں۔ یہ تمام حضرات اردو و فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ مشہور شاعر و ادیب باقر آگاہ بھی اسی مرکز علم ؤ فن کے خوشہ چیں ہیں۔

حضرت ذوقی ایک زبردست عالم، باکمال شاعر اور خدا رسیدہ بزرگ تھے جنھوں نے اُردو میں مختلف موضوعات پر تصنیف کیں۔ اکثر کتابیں زمانے کے دستبرد کی نذر ہو گئیں۔ مصنف، اقطاب ویلور نے جو کتابوں کے نام گنائے ہیں ان میں سے اکثر کتب خانہ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان میں موجود ہیں۔ انھیں مخطوطات میں ایک "رسالہ در عقائد" بھی ہے۔ یہ ایک منظوم دکنی زبان کا رسالہ ہے جو ۱۱۹۱ھ میں ویلور میں لکھا گیا۔ اس میں اہل سنت کے عقائد کو بڑے اچھے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ تقریباً دو سو سال قدیم دکنی رسالہ زبان کی حیثیت سے بھی اہمیت کا حامل ہے۔

اس مخطوطہ کی ابتدا حضرت ذوقی نے اس طرح کی ہے:

کہوں حمد و نعت خدا اور رسول   کہ جن کی اطاعت کرے سب قبول

قال اہل الحق حقائق الاشیاء ثابتۃ

ہے حقیقت ثابت ہر اک چیز کی   یہی بات ہے اہل تمیز کی
ہو فرق ویکھ اسباب عقل و حواس   نہیں وہم ہو تابع اعتقاد
ہے دال سو واں ہے سو کوئی   ہیں انسان سو انسان جن و جن

والعالم حادث قابل الفناء

ہی عالم ہے حادث فنا سو ہوا   قدیم اس کو کہنا نہیں ہے روا
ہے قابل فنا کا اپس ذات میں   تردد نہیں کس کو اس بات میں

حضرت ذوقی نے عربی عبارتوں سے عنا دین کو مزین کیا ہے اور پھر ان کی تشریح میں اشعار موزوں فرماتے ہیں۔ جو عقائد اس رسالہ میں بیان ہوئے ہیں وہ اہل سنت کے معروف عقائد ہیں اور متداول کتب عقائد سے ماخوذ ہیں۔ حضرت کی جدت صرف یہ ہے کہ انھوں نے ہر عقیدہ کو عربی میں لکھ کر اس کی تشریح دکنی نظم میں کر دی ہے۔ اصل میں یہ رسالہ ان عام رسائل کی طرح ہے جو اس زمانہ میں عموماً مختلف مسائل پر لکھے جاتے تھے چنانچہ خود حضرت ذوقی نے تصوف اور شریعت کے بہت سے مسائل پر مختلف رسائل تصنیف کیے۔ ان کے والد نے اتنے رسائل لکھے کہ ان کا ایک مجموعہ "رسائل قربی" کے نام سے شائع ہو گیا۔ یہ مختصر رسائل افادۂ عام کی خاطر لکھے جاتے تھے۔

شاعر اللہ تعالیٰ صفات پر تفصیل سے بحث کرتا ہے اور عام صفات کا ذکر اپنے اشعار میں کرتا ہے۔

اسی ایک پیدا کرنہار ہے   کہ ہر وہ عار ہے ہور تنزیہ نہاد ہے
قدیم اور واجب ہے اس کا وجود   ہے اس کیچہ ہستی سوں سب کا وجود
ہے قادر مرید اور یہ پہچان   علیم و سمیع و بصیر اس کو جان
نہ معدود ہے اور نہ محدود ہے   نہ اس کوئی جہت ہے نہ موجود ہے

کہیں کہیں حضرت ذوقی نے محض عربی عبارت کے ترجمہ پر اکتفا کیا ہے بلکہ اصل عبارت سے بھی مفہوم کو کم کر دیا ہے مثلاً ایک عنوان اس طرح قائم کر کے اس کو نظم کرتے ہیں:

ولا فی مکان ولا فی زمان ولا مثل لہ ولا ستجد لہ و
لا ضد ولا ند لہ ولا ظہیر لہ ولا معین لہ

مکاں و زماں سیں ہے پاک اس کی ذات   ومثل و نہ شبیہ و نہ ضد نہیں مشکلات
نہ تا امکوں ہے ہور ظہیر و معین   سبھوں کا معین اوچ ہے بالیقین

زبان کی حیثیت سے اس مخطوطہ میں عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ کثرت سے ہندی کے الفاظ موجود ہیں۔ دکنی زبان کے بعض نامانوس الفاظ کے باعث مطلب سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ اس مخطوطہ میں ایک عجیب بات یہ نظر آئی کہ "گ" پر کہیں بھی دو مرکز نہیں ہیں ہر جگہ کاف ہی لکھا ہے۔

انھوں کو ہر جگہ اُو لکھا گیا ہے انھوں کا استعمال بھی "ان کی" کے بجائے ہوا ہے جیسے:

انو کی امت ہے خیر الامم   شرائع میں ان کی شریعت اتم

آپس کے بجائے اپس استعمال ہوا ہے۔ "تی" بجائے "سے" کے یا "سیں" بجائے "سے" کے حضرت ذوقی نے کثرت سے استعمال کیا ہے۔ اسی طرح "کنیں" "بجائے" "کے لئے" استعمال ہوا ہے جیسے

کرے زندہ مردے کی خاطر جو کام   ہے مردے کنیں اس آں نفع تمام

"بلکہ" نہیں کے معنی میں جیسے

ولی سوں جو پاوے کرامت صدور   بلکو اس کو باطل سمجھے ہور دور

بجائے دوسرے اور تیسرے کے دوجی اور تیجی استعمال ہوا ہے غالباً یہ ہندی کا اثر ہے فرشتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انو سیں ہیں بہار ملک جبرئیل   دوجی میکائیل ہور تیجی اسرافیل

"اور" کے بجائے شاعر نے ہر جگہ "ہور" استعمال کیا ہے اس میں عموماً تلفظ کا لحاظ کیا گیا ہے لفظ پہچان کے بجائے پچھان استعمال ہوا ہے۔

ہندی الفاظ کے سلسلے میں یہ شعر ملاحظہ فرمایئے

دیۓ ہار حاجت کا کرتا یہ اد دعا کا اجابت کرنہار او

معراج کے ذکر میں فرماتے ہیں:

گگن کے اپر ھو کو براق سوار وہاں تے بھی چا ہا جدھر کردگار

مصنف کا نقطۂ نظر وسیع النظری اور غیر تنگ نظری پر مبنی ہے چنانچہ ان کی نظر میں کسی اہل قبلہ کی تکفیر صحیح نہیں وہ فرماتے ہیں۔

نکر اہل قبلہ کی تکفیر تو ں کہہ دے شخص اس کی تکفیر سوں

آخر میں فرماتے ہیں:

الٰہی تو ذوقی کو ایمان دے اپنی ذات کا اس کو عرفان دے

گنہگاری ہے تیرا کر اس پر عطا بحق محمد نبی مصطفےٰ

ذوقی کا اصل رجحان فارسی شاعری کی جانب تھا ہزاروں اشعار انھوں نے فارسی میں موزوں کئے ہیں چنانچہ افضل العماء مولانا یوسف کوکن عمری رقمطراز ہیں

"حضرت شاہ سید عبد اللطیف ذوقی رحمۃ اللہ علیہ ان ارباب علم و فضل میں سے ایک ہیں جن پر جنوبی ہند بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ وہ بیک وقت زبردست عالم و فاضل، عارف کامل، اور بے مثال شاعر اور نثر نگار تھے زود نویسی اور بدیہہ گوئی میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ نظم بھی اسی تیزی سے لکھتے تھے جتنی تیزی کی نثر تھی۔ دونوں میں آمد تھی آورد نہ تھی۔ ان تحریروں میں رد و بدل اور کانٹ چھانٹ نہیں ہوتی تھی۔ وہ پہلی ہی دفعہ اس طرح لکھتے جیسے کوئی اپنی آخری تحریر لکھ رہا ہو۔ ایک نشست میں سو شعر سے زیادہ اشعار نظم کر دیتے تھے مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے اندر ایک ضخیم مثنوی تیار ہو جاتی تھی۔"

(مجلہ اللطیف سالنامہ ۱۹۶۵ء ص ۱۰۱)

مصنف انقلاب ویلور لکھتے ہیں۔

"درس و تدریس اور دیگر اہم امور سے فارغ ہونے کے بعد بقیہ اوقات تصنیفات میں صرف فرماتے چنانچہ آپ نے قلیل عمر میں بہت زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں آپ کی تصانیف کم و بیش تقریباً ڈیڑھ سو ہیں۔ ہر فن میں آپ نے کتابیں لکھی ہیں کتابوں کے دیکھنے سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے"

(انقلاب ویلور مصنفہ نصیب الدین اشرفی ۱۳۰۳ھ ص ۴۰)

حضرت ذوقی نے اردو شاعری میں اس رسالہ کے علاوہ بعض نظمیں اور بھی لکھی ہیں ایک نمک نامہ تصوف کے موضوع پر نظم کیا تھا جو چھپ گیا ہے۔ اس طرز کی دکنی نظموں سے اردو میں قدیم طرز انداز بیان اور لسانی خصوصیات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مراسلات

جگر مرادآبادی

"ہماری زبان" (مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۶۹) میں خواجہ مسعود علی ذوقی نے حضرت جگر مرادآبادی کی زندگی کے چند اچھوتے گوشوں پر اچھی خاصی روشنی ڈالی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جگر نوازوں میں یہ مضمون بے حد دلچسپی سے پڑھا گیا ہوگا۔

اس ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ سال صحیح (گیا) کے اوائل فرائض سے سبکدوش ہو کر میں دسمبر ۱۹۵۱ء میں کلکتہ جا کر فضلی برادران لمیٹڈ کے شعبۂ نشر و اشاعت سے منسلک ہو گیا تھا اسی زمانے میں اردو کے بلند پایہ شاعر جناب سید فضل احمد کریم فضلی (آئی۔ سی۔ ایس) کے لکھے ہوئے "یادگار شاعرہ" کو (جسے ذوقی صاحب نے غلطی سے "آسمانی شاعرہ" لکھ دیا ہے) ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ایس۔ ایف۔ حسین (مرحوم) اندرا پوری اسٹوڈیو میں فلم بند کر رہے تھے۔ اور اس سلسلے میں اردو کے متعدد چوٹی کے شعراء اور ادباء کلکتہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت جگر مرادآبادی بھی اپنی پوری شاعرانہ عظمت و انفرادیت کے ساتھ موجود تھے۔ ایک دن جب حضرت جگر فضلی برادران لمیٹڈ کے دفتر واقع کینٹ ہاؤس، مشن رو ایکسٹنشن میں جناب سید فضل احمد کریم فضلی کے ساتھ تشریف فرما تھے محترم کریم صاحب نے مجھے اپنے کمرے میں بلوایا اور گویا اشارۃً کے طور پر حضرت جگر مرادآبادی کی موجودگی میں مجھ سے یہ سوال کیا کہ اردو کے صف اول کے غزل گو شعراء کے نام بتاؤ۔ تو میں نے سب سے پہلا نام جو لیا وہ جگر مرادآبادی کا تھا جسے سنتے ہی کریم صاحب نے فوراً ایک احساس مسرت کے ساتھ گردن گھما کر حضرت جگر مرادآبادی پر نظر ڈالی لیکن میں نے دیکھا کہ جگر صاحب کے چہرے پر تشہیر نام کا کوئی چیز قطعی طور پر موجود نہیں تھی۔ وہ کہیں گم تھے۔

میں نے یوں تو اکثر شعراء کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے ان کی مختلف طبائع سے بھی آشنا ہوں لیکن حضرت جگر مرادآبادی ایسی غریب کا عالم میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ اسی بنا پر وہ ایک اچھے شعر و شاعر تھے نہیں "سراپا محبت" سے موسوم کیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ (قیصر قتبانی)

دیوان غالب نسخۂ امروہہ کے سلسلے میں

جناب ابو محمد سحر نے ۸ مئی ۱۹۶۹ء کے "ہماری زبان" میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے۔ میں نے شانوں پر جو دو شعر نقل کئے تھے ان میں ایک کے نقل کرنے میں سہو ہو گیا اور دوسرے کے اختلاف نسخہ پر میری نظر نہیں گئی۔ میرا مقصد ان دو شعروں کو مثال میں پیش کرنے سے یہ تھا کہ اتنی بات فوری طور پر واضح ہو جائے کہ یہ نو دریافت نسخہ گمشدہ نسخۂ بھوپال نہیں ہے بلکہ اس کا مسودہ ہے۔ چنانچہ پہلا مقصد تو ان شانوں سے حاصل ہو گیا دوسری شق ثابت کرنے کے لئے دلیل ہوئی

رہ گئی۔

اس خط کی معذرت کے ساتھ یہ عرض کردوں کہ یہ نسخہ ۴ اپریل ۱۹۶۹ء کو دریافت ہوا تھا۔ ۷ اپریل ۱۹۶۹ء کے اخبار الجمعیتہ دہلی میں توفیق احمد صاحب نے اس کا اشتہار چھاپا۔ اسے دیکھ کر میں نے انھیں خط لکھا اور وہ ۱۰ اپریل کو یہ نسخہ لے کر مجھ سے ملے۔ اسی دن میں نے ہماری زبان کو ایک مختصر سا مراسلہ بھیج دیا۔ ۱۷ اپریل کے انگریزی اخباروں میں اور آل انڈیا ریڈیو سے اس کی خبر نشر ہوئی اور ۲۲ اپریل کے ہماری زبان میں وہ مراسلہ چھپا۔ اس کے ساتھ ہی ۲۳ اپریل کے اخبار الجمعیتہ میں میرا دوسرا مراسلہ "غالب صدی کی سب سے زیادہ گراں قدر دریافت" شائع ہوا۔ اس وقت تک میں نے اس نسخے کو اچھی طرح دیکھا نہیں تھا اس لئے اشعار اور غزلوں کی تعداد بھی اس میں غلط لکھی گئی ہے۔ اس نسخے میں ۲۲ ردیفوں کی ۲۵۳ غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۶۵۴ ہوتی ہے ان کے علاوہ اردو کی گیارہ رباعیاں (ایک غیر مطبوعہ) فارسی کی تیرہ رباعیاں (بارہ غیر مطبوعہ) بھی ہیں۔

نسخہ بھوپال میں غزلوں کے اشعار کی تعداد ۱۴۹۸ ہے اور دیوان متداول میں یہ تعداد ۱۴۵۵ ہے اس طرح موجودہ نسخہ امروہہ میں بھوپال والے نسخے سے ۱۵۶ اور دیوان متداول سے ۱۹۹ اشعار زائد ہیں۔

جناب محمد عباس غالب صفوی نے ہماری زبان (یکم مئی) میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اس نسخے کو ایک ہزار غزلوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں ایسا نہیں ہے انگریزی اخبارات میں ONE THOUSAND VERSES لکھا گیا تھا یہاں VERSES سے غزلیں نہیں اشعار مراد تھے، اگرچہ اشعار کی حد تک بھی یہ تعداد درست نہیں تھی۔ (نثار احمد فاروقی)

غالب اور بھوپال

عنوان بالا کے تحت ۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء کے ہماری زبان میں پروفیسر سید احتشام حسین صاحب کا ایک مراسلہ نظر سے گزرا جس میں پروفیسر صاحب موصوف نے غالب کی چند ایسی غیر معروف تصانیف کی جانب توجہ دلائی ہے جن کا محمد عباس رفعت کی قلمی تصنیف "نور دیدہ" اور یار محمد خاں شوکت کی مطبوعہ تصنیف "انشائے نور چشم" میں ذکر ہے رفعت اور شوکت کی بیان کی ہوئی تصانیف میں سے کم از کم دو یعنی "گوہر افشاں" اور "دہان شیریں" کے بارے میں توضیح کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میں دو امور کی جانب خاص طور پر اشارہ کرنا چاہوں گا۔

(۱) میرا خیال ہے کہ "نور دیدہ" اور "انشائے نور چشم" کے مندرجات کا اصل ماخذ ایک ہی ہے یعنی مولانا عباس رفعت کی یادداشت خود مولانا عباس رفعت نے "نور دیدہ" (مرقومہ ۱۲۹۰ھ) کے بیضہ میں ایک جگہ (ص ۲۰۲) حاشیے پر اپنی ان تصانیف کے نام درج کئے ہیں جو یار محمد خاں شوکت کے نام سے شائع ہوئی ہیں اور رفعت نے ان کا معاوضہ قبول کیا ہے۔ انھیں تصانیف میں "مراسلات عباسیہ" کا نام بھی شامل ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہی "انشائے نور چشم" ہو۔ علاوہ ازیں "نور دیدہ" اور "انشائے نور چشم" دونوں میں غالب کی تصانیف کی ایک ہی تعداد اور یکساں عنوانات درج کئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ غالب کی تصانیف کے بارے میں اگر کوئی تسامح ہوا ہے تو وہ جداگانہ شخصیتوں سے نہیں بلکہ ایک ہی شخص سے ہوا ہے۔

(۲) "انشائے نور چشم" مصنفہ یار محمد خاں شوکت (مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۹ھ) میں غالب کے دو خطوط ایک منظوم جو والیِ ٹونک کے نام ہے اور دوسرا فارسی نثر میں جو عباس رفعت کے نام ہے درج کئے گئے ہیں۔ (یہی خطوط رفعت نے "نور دیدہ" میں درج کئے ہیں) اور ساتھ ہی یہ تحریر کیا ہے۔ "چونکہ ہر دو خطوط منظوم و منثور کلیات دیوان و انشائے جناب موصوف میں میری نظر سے نہیں گزرے اور وہ میرے پاس موجود تھے بمراد اشاعت کلام استاد و استفادہ ادبائے نقاد احقر العباد نے تبرکاً اپنی انشا میں رقم کئے" (ص ۸۲)۔ یہ خطوط اب غالب کے کلیات نظم اور کلیات نثر فارسی میں شامل ہیں۔ اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ آیا یہ خطوط کلیات غالب کے ان نسخوں میں بھی موجود تھے جو ۱۲۸۹ھ تک شائع ہو چکے تھے۔ اگر یہ خطوط کلیات نظم و نثر میں موجود تھے اور شوکت (یا رفعت) کو ان کی شمولیت کے بارے میں مغالطہ ہوا تو یہ بھی امکان ہے کہ "گوہر افشاں" اور "دہان شیریں" کے بارے میں جو اطلاع بھی صحیح علم پر مبنی نہ ہو۔ "سبد چین" کی بجائے "سبا چین" تحریر کرنا اور "ماہ نیم ماہ" کے بارے میں حقیقت سے لاعلمی بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ غالب کی تصانیف کا شمار کراتے وقت پوری توجہ سے کام نہیں لیا گیا۔ (سید حامد حسین)

پنجاب اردو اکاڈمی

پنجاب اردو اکاڈمی ہر سال 'غالب' پر بہترین کام کرنے والے کی خدمت میں مبلغ پانچ سو روپے نذر کیا کرے گی۔ اس مقصد کے لئے اکاڈمی نے ۱۔ سردار اردو سے سنگھ شائق ۲۔ جناب نوبہار صابر ۳۔ پروفیسر گوپال سنگھ بیدار ۴۔ سردار سہاگ سنگھ اور جناب سورج تنویر پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی ہے۔ اکاڈمی کے معتمد اعلیٰ جناب سورج تنویر اس کمیٹی کے کنوینر ہوں گے۔ ان سے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

سورج تنویر
فلیٹ نمبر ۲۹ ام ۳۳ سیکٹر ۲۱۔ ڈی چنڈی گڑھ

(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو۔ احمد آباد کی ادبی نشست

احمد آباد: احمد آباد میں صحت مند ادبی ماحول پیدا کرنے اور شاعروں کو تفریح کے دائرے سے نکال کر غور و فکر کے احاطے میں لینے کی غرض سے انجمن ترقی اردو احمد آباد نے جیون سنگھ ہال میں ایک ادبی پروگرام کا انعقاد کیا جس میں بیرونی شاعر جناب رئیس رامپوری اور موجودہ عہد کے ممتاز جدید شاعر جناب محمد علوی کو اپنا کلام سنانے کی دعوت دی گئی تاکہ روایتی مدرسہ فکر اور جدید ادبی رجحان کی ترجمانی ہو سکے۔ دونوں شعرا نے تین گھنٹے تک اپنے اپنے منتخب کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ اور یہ ادبی تجربہ نہایت ہی کامیابی سے اختتام پذیر ہوا۔ (رسول احمد شیخ سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کا ذاکر صاحب کو خراج عقیدت

دہلی۔ انجمن ترقی اردو دہلی کے زیر اہتمام دلی پبلک لائبریری میں تعزیتی جلسہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے لئے منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت پنڈت سندر لال (صدر انجمن ترقی اردو دہلی) نے فرمائی۔ سندر لال جی نے کہا: ڈاکٹر ذاکر حسین سچے گاندھی وادی اور قومی ایکتا کے علمبردار تھے۔ ذاکر صاحب کا شمار تلک، گوکھلے، گاندھی جی، مولانا آزاد جیسے معتبر رہنماؤں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ میں ان کو خراج عقیدت اس لئے پیش نہیں کرتا کہ وہ ہمارے صدر جمہوریہ تھے۔ انھوں نے تو ہمیشہ انسانیت اور ایثار کا سبق دیا۔ صدر کے عہدے پر تو وہ سال سے ممتاز ہوئے تھے۔ انھوں نے تو اپنی ساری عمر ملک و قوم کی خدمت میں گذار دی۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (صدر انجمن ترقی اردو ہند) نے فرمایا کہ ذاکر صاحب ایک ایسے انسان تھے جن کو ہندوستان کے ان چند برگزیدہ ہستیوں میں شامل کیا جا سکتا ہے جنھوں نے ہمارے ملک کا نام تمام دنیا میں روشن کیا۔ بحیثیت ادیب کے بھی ان کا درجہ بہت بلند ہے انھوں نے ادبی، تعلیمی اور سیاسی خدمات تمام عمر انجام دیں۔ صدارت کی کرسی کو ذاکر صاحب کی ذات گرامی سے زینت تھی اس پر ہمیں فخر ہے کہ ہمارے جتنے صدر بھی اب تک ہوئے وہ سب عوام سے قریب تھے اور یہ خصوصیت ڈاکٹر ذاکر حسین خاں میں سب سے زیادہ تھی۔ خواجہ غلام السیدین صاحب نے فرمایا کہ ذاکر صاحب میرے اتنے قریب تھے کہ ان کی اچانک وفات پر میرے دل و دماغ ایسے پریشان ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں ان کی دلکش شخصیت کی نقش و نگار ہر کسی کے ذہن پر چھائیاں پڑتی ہیں۔ وہ بہترین دوست تھے بہترین معلم بہت اونچے ادیب، بلند مرتبہ سیاست داں اور اس سے بھی بڑھ کر ایسے انسان تھے جن پر انسانیت ہمیشہ ناز کرے گی۔ وہ جہاں بھی گئے اس جگہ کو انھوں نے اپنی محنت سے بنا دیا۔ جامعہ ملیہ ہو یا علی گڑھ یونیورسٹی یا راشٹرپتی بھون۔ انھوں نے ہر جگہ کا معیار اپنے کاموں سے بلند کر دیا۔

جناب فخر الدین علی احمد وزیر صنعتی ترقیات نے ڈاکٹر ذاکر حسین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں ذاکر صاحب سے اپنے یورپ کے زمانہ قیام میں ملا تھا۔ اس کے بعد سے میری ان کی ملاقات کہیں نہ کہیں ہوتی رہی، خصوصاً جب میں اور وہ دونوں راجیہ سبھا کے ممبر تھے تو روز ہی ملنا ہوتا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کا شمار ہندوستان کی ان نامور شخصیتوں میں ہوتا ہے جو ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہو گئیں وہ پروپیگنڈہ کرنے کے عادی نہیں تھے، خاموشی سے کام کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کی تعریف کی جائے۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ صدر جمہوریہ بننے کے بعد ان کو اردو سے دلچسپی نہیں رہی تھی یا اس سلسلے میں انھوں نے کوئی کام نہیں کیا۔ وہ جب بھی ان کو موقعہ ملتا تھا اس سلسلے میں اپنے اثرات استعمال کرتے تھے۔ مجھے ڈاکٹر راؤ وزیر تعلیم نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے انتقال سے ایک ہفتے قبل ان سے کہا تھا کہ دلی کالج کی حالت کو جو پہلے مشرقی کالج تھا اور جس میں عربی تعلیم کا انتظام خاص طور پر تھا۔ سدھارنے کی کوشش کریں۔ اور جامعہ ملیہ کے سلسلے میں بھی وزیر تعلیم کو توجہ دلائی۔ تقریر کے دوران موصوف نے فرمایا کہ وزیر اعظم کو ڈاکٹر صاحب کی وفات کا شدید رنج ہے۔ دو سال کی قلیل مدت میں مرحوم صدر جمہوریہ نے بیرونی ملکوں میں دورے کرکے جس طرح ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر ہر ملک کے رہنماؤں سے گفتگو کی اس سے ہندوستان کے قومی وقار میں اضافہ ہوا تھا۔ ذاکر صاحب بہت بڑے مفکر اور ادیب تھے ان کی تمام مسائل پر بڑی گہری نظر تھی اس لئے جو بھی معزز مہمان آتے تھے۔ ان سے گفتگو کر کے بہت متاثر ہوتے تھے۔ تقریر کے آخر میں فخر الدین صاحب نے فرمایا کہ ہمارا بہترین خراج عقیدت یہ ہوگا۔ کہ ان کی انسان دوستی اور بلند کردار کو اپنائیں۔ ان کو یاد کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

ڈاکٹر سلامت اللہ نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں سے جو تعلیمی مسائل پر ان کی گفتگو ہوتی تھی۔ اس کا اپنا تقریر میں ذکر کیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس کا بڑا خیال تھا کہ جو کتابیں آجکل بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں ان سے بچوں کی ذہنیت پر اچھا اثر نہیں پڑتا تاریخی حقائق کو موڑ توڑ کر اکثر کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ جن شرکائے کرام نے خراج عقیدت پیش کیا ان میں انور صابری، امرش صدیقی، ساغر نظامی، بہاری لال اور رفعت سروش بھی شامل تھے۔ جلسے کے آخر میں تعزیتی تجویز بہاری لال نے صدر کی طرف سے پڑھی۔

قرار داد تعزیت:۔ انجمن ترقی اردو دہلی کے زیر اہتمام محبان اردو کا یہ اجتماع مرحوم صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی اچانک وفات پر اپنے گہرے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی ملک کے لئے باعث افتخار تو تھی ہی لیکن اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنی اعلیٰ ترین تہذیبی اقدار اور صالح نظریات کے سبب وہ دنیا کے انسانیت کے لئے بھی موجب تحسین تھی ان کی ہمہ رنگ شخصیت ہماری مشترک تہذیب و تمدن کی آئینہ دار تھی۔ اور اس مٹی کی نمائندگی کرتی تھی جو بتدریج ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے مرحوم

انجمن ترقی اردو ہند کے صدر بھی رہے اور ان کی قیادت میں یو۔پی سے حکومت کو وہ تاریخی محضر نامہ پیش ہوا جس پر بیس لاکھ سے زائد محبان اردو کے دستخط تھے۔ ڈاکٹر صاحب بلند ترین سیاسی رہنما بھی تھے اور ایک بلند پایہ ادیب بھی اور عالمی سطح کے ماہر تعلیم بھی۔ یہ جلسہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کو ان کی سیاسی، ادبی، علمی اور سماجی خدمات کے لئے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے دو منٹ کھڑے ہو کر تعزیتی تجویز کو منظور کیا گیا اور جلسہ ختم ہوا۔ (نامہ نگار)

غالب اکیڈمی کا جلسہ تعزیت

نئی دہلی: ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی ناگہانی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرنے اور مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے غالب اکیڈمی نظام الدین نئی دہلی کا ایک جلسہ عام اکیڈمی کے آڈیٹوریم میں ۱۰؍مئی کی شام کو منعقد ہوا۔ جناب نور الدین احمد بیرسٹر، سابق میئر دہلی نے جلسے کی صدارت فرمائی۔ خواجہ غلام السیدین صاحب، سید بشیر حسین زیدی صاحب، اکبر علی خاں صاحب اور جناب سیمپول نے ذاکر صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

تجویز: غالب اکیڈمی کا یہ جلسہ عام ڈاکٹر ذاکر حسین کی ناگہانی وفات پر اپنے دلی رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم صدر جمہوریہ ہونے کے علاوہ ہمارے ملک کی مشترکہ تہذیبی روایات کے بھی بہترین حامل تھے۔ ان کی ذات ایک ایسا آبدار نگینہ تھی جس میں ہماری قومی زندگی کی رعنائیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھیں اور یہ اس کا نتیجہ تھا کہ انھیں ہمارے ملک نے صدر جمہوریہ منتخب کرکے اپنا سب سے بڑا اعزاز عطا کیا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنی خداداد لیاقت و قابلیت، بے پناہ ذکاوت و ذہانت اور بے مثال تفکر و تدبر سے ان توقعات کو بدرجۂ اتم پورا کیا جو انھیں صدر جمہوریہ منتخب کرکے ملک نے ان کی ذات سے وابستہ کی تھیں۔ انھوں نے اپنے مختصر عہد صدارت میں قومی یکجہتی کی جڑیں اندرون ملک میں جس طرح مضبوط کیں اور بیرون ملک میں ہمارے قومی وقار کو جس طرح دوبالا کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین تعلیم کے بہت بڑے ماہر اور معاشیات کے کامیاب معلم ہونے کے ساتھ ساتھ منفرد مصنف اور صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ ان کی زندگی کے موخر الذکر پہلوؤں ہی نے غالب کا بھی انھیں پرستار بنا دیا تھا۔ اس کا ایک روشن ثبوت دیوان غالب کا وہ برلن ایڈیشن ہے جو غالب کے دیوان کا پہلا دیدہ زیب ایڈیشن تھا اور جسے انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے کمپوز کیا تھا۔ غالب سے ان کی ذہنی وابستگی ہی نے غالب اکیڈمی کے قیام کی تحریک سے اس دور میں بھی انھیں وابستہ کر دیا تھا جبکہ اس کا تصور دانشوروں کے نہاں خانوں تک ہی محدود تھا۔ غالب اکیڈمی نے جب عملی روپ دھارا تو اس کے ساتھ ان کی نیک خواہشات ہی وابستہ نہیں رہیں بلکہ ان ہی کے مبارک ہاتھوں سے غالب اکیڈمی کی عمارت کا افتتاح اور اس کی اولین مطبوعات کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ غالب اکیڈمی کی تاریخ میں یہ بات ہمیشہ باعث فخر رہے گی کہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جن اہم قومی اداروں کا افتتاح فرمایا تھا ان میں غالب اکیڈمی کے افتتاح کو سب سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی ناگہانی وفات نے غالب اکیڈمی کو ایک بہت بڑے ہمدرد اور بہی خواہ سے محروم کر دیا ہے۔ ان کی وفات ایک قومی سانحہ ہونے کے ساتھ ساتھ غالب اکیڈمی کے لئے ایک ذاتی سانحہ بھی ہے۔ ہم سب مرحوم کی مغفرت کے لئے دست بدعا ہیں خداوند تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (عتیق صدیقی)

وہی زبان فروغ پا سکتی ہے جس میں صلاحیت ہو

نئی دہلی: یہاں سندھی ادب، تعلیم اور ثقافت سے متعلق کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے اطلاعات اور نشریات کے وزیر ریاست شری آئی کے گجرال نے کہا کہ صرف وہی زبان فروغ پا سکتی ہے جس میں تکنیکی ترقی کے نتیجے میں ہونے والی سماجی تبدیلیوں کے ساتھ آگے بڑھنے کی صلاحیت ہو۔ وزیر موصوف نے علاقائی اور لسانی تنگ نظری کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ سماجی تبدیلیوں کے ساتھ مربوط ہونے کی صورت میں زبان کا ارتقا از خود عمل میں آتا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ زبانیں قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں لہذا زبانوں کے ارتقاء کا عمل جاری رہنا چاہئے جناب گجرال نے کانفرنس پر اس بات کے لئے زور دیا کہ وہ سندھی زبان کو حال اور مستقبل کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بنائیں۔ (قومی آواز)

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کی ادبی نشست

کلکتہ: پروفیسر جاوید نہال کی قیام گاہ • لین کلکتہ میں اردو رائٹرس

ایسوسی ایشن کلکتہ کی ایک ادبی نشست منعقد ہوئی جس کی صدارت پروفیسر شاہ مقبول احمد نے کی، جلسے کی کارروائی کے آغاز کے قبل پروفیسر جاوید نہال نے صدر ذاکر صاحب مرحوم اور مشہور شاعر نریش کمار شاد کی موت پر تعزیتی قرارداد پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوئی

ان تعزیتی قراردادوں کی منظوری کے بعد جلسہ کی باضابطہ کارروائی شروع ہوئی۔ ایم۔ اے نصر نے "الحاج نواب عبدالواسع خاں" پر، آئینس موتی سنگھ اور مشتاق احمد نے پروفیسر عباس علی خاں بیخود پر مقالات پڑھے۔ پروفیسر مجیب الرحمٰن عرفانی نے ذاکر صاحب کی موت پر ایک نظم سنائی۔

(ایم۔ اے نصر جنرل سکریٹری)

علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کیلئے وقت کی کوئی میعاد مقرر نہیں کیجاسکتی

بنگلور۔ ہندوستانی زبانوں کو جرمن یا روسی زبانوں کی طرح مالا مال بننے میں کم از کم بیس سال کا عرصہ لگے گا اور پھر بھی وہ اس قدر مالا مال نہ ہو پائیں گی جس قدر انگریزی زبان ہے۔ یہ خیال مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی راؤ نے ظاہر کیا ہے۔ انھوں نے یہاں اخباری نمائندوں کے سامنے کہا کہ عبوری دور میں اہم بات یہ ہے کہ زیادہ تر نصابی تعلیم انگریزی میں ہو۔ ڈاکٹر راؤ نے اس الزام کی تردید کی کہ وہ اپنے پیش رو (ڈاکٹر ترگن سین) کی پالیسی کو ذریعہ تعلیم کے معاملہ میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں اسے زیادہ موثر بنانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن میں وقت مقرر کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ فلاں تاریخ تک علاقائی زبان کا رواج ہو جائے گا۔ میں نشانہ مقرر کرنے اور پھر یہ کہنے پر عقیدہ نہیں رکھتا کہ میں اس کی تکمیل نہیں کر پایا۔ ڈاکٹر راؤ نے کہا کہ میں اپنے غیر مقبول ہونے کا خطرہ تک مول لے کر علاقائی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے رائج کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس تبدیلی کی باتیں گزشتہ بیس سال سے ہو رہی ہیں لیکن ان پر عمل ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ افراتفری کی حالت میں ہوا۔

ہند اور پاکستان کے درمیان کتابوں کی ترسیل کی اجازت ہونی چاہیے

نئی دہلی۔ پاکستان کے اخبار "حریت" نے مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کتابوں کی ترسیل کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے۔ اس نے مطالبہ کیا ہے کہ اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ ہندوستان سے کتابیں منگائی جاسکیں اور اس کی قیمت نقد یا چیک کی صورت میں ادا کی جاسکے۔ اس نے کہا ہے کہ اسی طرح پاکستان کی کتابیں ہندوستان جانی چاہئیں۔

دسنہ میں ڈاکٹر ذاکر مرحوم کی یاد میں جلسہ

دسنہ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی یاد میں اہل دسنہ کا ایک جلسہ الاصلاح لائبریری دسنہ کے زیر اہتمام منعقد ہوا جس کی صدارت کتب خانے کے سابق سکریٹری جناب عبدالحفیظ صاحب ندوی نے کی۔

جلسہ کا آغاز جناب پروفیسر عبدالقوی دسنوی کی تقریر سے ہوا جلسہ میں خورشید انور گیلانی اور شمیم اختر آزاد نے ذاکر حسین مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ جناب فیاض حسن نے ذاکر حسین مرحوم پر ایک نظم پڑھی۔

(نامہ نگار)

جلسۂ تعزیت نریش کمار شاد

ہوڑہ۔ نریش کمار شاد کی بے وقت موت پر ادارہ "فروغ اردو" شب پور ہوڑہ کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مرحوم کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالی گئی۔

سکریٹری ایم۔ اے قاسم علیگ)

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا جلسہ

پٹنہ۔ مجلس عاملہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک ہنگامی جلسہ زیر صدارت جناب علامہ جوہر نظامی ۱۱ مئی ۸ بجے شام کو بدولت کدہ جناب شاہ مشتاق احمد خازن مقام پارک ویو لین پیکر منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجویزیں متفقہ طور پر منظور ہوئیں سب سے پہلے جناب بیتاب صدیقی نے سابقہ روداد پڑھ کر سنائی اور ہنگامی نشست کی غرض و غایت بیان کی۔

طے پایا کہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو جناب غلام سرور کے صدارت سے دیے گئے استعفیٰ کو ان کی مجبوریوں کے پیش نظر قبول کرتا ہے اور طے کرتا ہے کہ پہلے جناب سید غضنفر نواب دوانش اور ان کے بعد جناب خادم حسین ایڈوکیٹ نائب صدر سے درخواست کی جائے کہ وہ قائم مقام صدر ہونا قبول فرمائیں۔

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ صدر کے استعفیٰ سے پیدا شدہ غیر معمولی صورت حال اور چند دوسری اصولی و عملی پیچیدگیوں کے پیش نظر انجمن کے سالانہ انتخاب کی تاریخ ۳۱ مئی اور یکم جون سے بڑھا کر ۲۸۔۲۹ جون کر دی جائے۔

ریاستی انتخاب کی تاریخ میں اس توسیع کے پیش نظر یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ ادھ کٹیاں اور ممبر سازی کے کوٹا کی رقم کی وصولی کی تاریخ بھی ۳۰ اپریل سے بڑھا کر ۲۵ مئی کر دی جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ ضلعی شاخوں کے انتخابات مکمل ہو کر اضلاع سے ریاستی نمائندوں کے نام ۱۵ جون تک ریاستی دفتر کو قطعی طور پر موصول ہو جائیں۔

لہٰذا مجلس عاملہ کا یہ جلسہ ضلعی شاخوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں سالانہ انتخاب کے سلسلہ میں تمام کارروائیاں مقررہ تاریخوں کے اندر قطعی طور پر مکمل کر لیں۔ مقامی شاخوں کو بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس معاملے میں ضلعی شاخوں کے ساتھ مستعدی سے

تعاون کریں۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو مجلس عاملہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ انتظامی سہولت کے پیش نظر انجمن کے تنظیمی یونٹ ضلع گریڈیہہ کا صدر مقام سے منتقل کر کے گریڈیہہ شہر کر دیا جائے۔

مجلس عاملہ نے اپنی کارروائی کے آغاز سے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر مرکزی انجمن ترقی اردو کی وفات پر اظہار تعزیت کیا اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔　　(نامہ نگار)

مدینہ منورہ میں اردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت

مدینہ منورہ۔ مدینہ منورہ سے موصولہ اطلاع کے بموجب اس مقدس سرزمین پر جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے بزم اردو کے زیر اہتمام یوم غالب اور یاد اقبال کی تقریب پچھلے دنوں منائی گئی۔ تقریب کی صدارت مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی نے کی۔ جناب عبدالجلیل سوختہ نے علامہ اقبال کی مشہور نعت پیش کی۔ جناب سید احمد مدنی صدر بزم اردو نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج ہم یہاں غالب اور اقبال کو خراج عقیدت پیش کرنے جمع ہوئے ہیں جن کے کلام نے فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کیا اور اردو زبان کو حیات جاودانی بخشی۔ ان دو عظیم المرتبت شعرا کی یاد کو خراج عقیدت پیش کرنے کا صحیح طریقہ کا یہ ہے کہ ہم اس زبان کی حفاظت کا بندوبست کریں جس میں ان دونوں شاعروں نے اپنا کلام پیش کیا۔ بزم اردو کے نگران اعلیٰ مولانا محمد عبدالملک جامعی نے غالب اور اقبال پر تقریر کی جناب حافظ محمد امین زاہد نے علامہ اقبال کے بعض فارسی اشعار کی تشریح کی۔ جناب حبیب احمد حجازی نے "اقبال میرا پسندیدہ شاعر" کے زیر عنوان ایک مقالہ پیش کیا۔ صدر جلسہ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی نے اپنی افتتاحی تقریر میں بزم اردو کو اس تقریب کے انعقاد پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ بزم اردو اس مقدس سرزمین پر اردو کو فروغ دینے کی کوشش کر رہی ہے اس کے نتیجہ میں اس زبان کی مقبولیت عالم عرب میں بڑھتی جا رہی ہے۔

ازبکستان میں غالب کے فکر و فن کو خراج عقیدت

تاشقند۔ سوویت یونین کے دوسرے علاقوں کی طرح ان دنوں ازبکستان میں غالب صدی منائی جا رہی ہے۔ اس تقریب میں ہند سوویت تہذیبی سوسائٹی کے وفد نے بھی شرکت کی علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالعلیم اس وفد کے لیڈر ہیں۔ اس وفد میں پروفیسر احتشام حسین، مارکس، اعم کیفی اعظمی اور مجروح سلطان پوری شامل ہیں۔

ازبکستان کی سائنس اکادمی کے ادارہ مشرقی مطالعات میں غالب سے متعلق ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں ممتاز ازبک عالموں، شاعروں اور نقادوں اور عوامی شخصیتوں نے مرزا غالب کی زندگی اور ان کی تخلیقات اور فلسفیانہ افکار سے متعلق تقاریر کیں اور مقالے پڑھے۔ کانفرنس کے بعد تاشقند کے حمزہ ڈرامہ تھیٹر میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ماسکو اور ہندوستان سے آئے ہوئے مہمانوں نے تقاریر کیں۔ اردو، ازبک اور روسی میں غالب کا کلام سنایا گیا۔

اردو اور اترپردیش کی عدالتیں

اترپردیش سرکار نے اردو کی ترویج کے سلسلے میں ایک نیا قدم اٹھاتے ہوئے ریاست کے تمام کمشنران اضلاع کے افسران کی توجہ حکم نمبری B. 90608/12/910 مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۹ء کی جانب مبذول کرائی ہے اور لکھا ہے کہ مال کی تمام عدالتوں میں اردو زبان میں لکھی ہوئی دستاویزات و درخواستوں کو ریونیو کورٹ مینول کے قاعدہ نمبر ۱۳۲ کے تحت قبول کیا جائے اور اس کے لیے ترجمہ کا لگانا ضروری نہیں ہے۔

ہم ریاست کے اردو دوستوں اور خاص کر وکیلوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حکم مذکورہ کے تحت مال کی عدالتوں میں روزانہ اردو زبان میں لکھی ہوئی درخواستوں کو بلا کسی خوف و جھجک کے پیش کریں اگر ریاست کے وکلا صاحبان نے اس پر پوری توجہ فرمائی تو کوئی وجہ نہیں کہ سرکار اردو کے معاملہ میں پہلوتہی سے کام لے۔ اگر پوری تندہی سے ریاست کے تمام بہی خواہان اردو کوششیں جاری کر دیں تو یقیناً حکومت کو بھی اردو کی ضرورت کا احساس ہو جائے گا اور اس طرح آئندہ اردو کی راہ سے دوسری مشکلات سے ہٹنا آسان ہو جائے گا۔

(نامہ نگار)

سیوان میں غالب صدی تقریبات

سیوان۔ غالب صدی تقریبات کمیٹی سیوان کے سرپرست ریاستی وزیر مالیات مسٹر نوار حسین چیرمین ایس ڈی او سول مسٹر کل بی شرما اور خازن ڈاکٹر بی۔ این سنہا بنائے گئے ہیں۔ کمیٹی کے زیر اہتمام ۱۳ رجولائی کو جشن غالب منایا جائے گا۔ غالب صدی تقریبات کے دو اجلاس ہوں گے۔ پہلا اجلاس ۸ بجے دن کو شروع ہو گا۔ جس میں مفکر فن کار غالب کو خراج عقیدت پیش کریں گے۔ اس مجلس مذاکرہ میں پروفیسر اختر قادری صدر شعبہ اردو فارسی بہار یونیورسٹی (مظفرپور)، پروفیسر انور حسین انور (سیوان)، ڈاکٹر سلام سندیلوی گورکھپور یونیورسٹی مسٹر احمد جمال پاشا اور دوسرے مقررین حصہ لیں گے۔

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

"لینن وفات پا چکے ہیں لیکن ان کی ذہانت، فراست اور قوت ارادی کے وارث زندہ ہیں۔ ہاں وہ زندہ ہیں اور اتنی کامیابی سے کام کرتے ہیں جتنی کامیابی سے دنیا میں پہلے کبھی کسی نے کام نہیں کیا تھا۔"

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا